کِس کا دِل
اِسلام کے لیے کُھلتا ہے

نگہت ہاشمی

النور پبلیکیشنز

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

کس کا دل

اسلام کے لیے کھُلتا ہے

کس کا دل
اسلام کے لیے کُھلتا ہے

نگہت ہاشمی

النور پبلیکیشنز

نام کتاب	:	کس کا دل اسلام کے لیے کُھلتا ہے
مُصنّفہ	:	**نگہت ہاشمی**
طبع اوّل	:	اکتوبر 2006ء
تعداد	:	2100
ناشر	:	النور انٹرنیشنل
لاہور	:	E109/C، سٹریٹ 2، علی ویو، گلشن پارک، بیدیاں روڈ، نزد فوجی فاؤنڈیشن، کینٹ۔فون: 5743152 - 042
فیصل آباد	:	103 سعید کالونی نمبر 1، کینال روڈ۔فون: 8721851 - 041
بہاولپور	:	7A، عزیز بھٹی روڈ، ماڈل ٹاؤن اے۔فون: 2875199 - 062، 2885199، فیکس : 2888245 - 062
ملتان	:	888/G/1، بالمقابل پروفیسرز اکیڈمی، بوسن روڈ، گلگشت۔ فون: 6008449 - 061
ای میل	:	alnoorint@hotmail.com
ویب سائٹ	:	www.alnoorpk.com
بہاولپور	:	مُلک میں النور کی پروڈکٹس حاصل کرنے کے لیے رابطہ کریں: مومن کمیونی کیشن، 48-B، گرین مارکیٹ۔بہاولپور فون: 2888245 - 062
مطبع	:	عبدالرافع پرنٹرز اینڈ پبلیشرز
قیمت	:	35/- روپے

ابتدائیہ

اس دنیا میں آنے والا ہر شخص خطرے میں ہے کیونکہ اس کا دشمن شیطان اسے دبوچ لینے کو ہر وقت تیار رہے۔ اس کے حربے، اس کی چالیں ایسی ہیں کہ دکھائی نہیں دیتیں۔ وسوسوں کے ہتھیار کو استعمال کرتا ہے اور دل میں وہ خیالات ڈالتا ہے جن کے بارے میں انسان اس دھوکے میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ شاید یہی میرے دل کی بات ہے۔ شیطان کا یہ ایک بہت کامیاب وار ہے کہ وہ نیکی کی بات، نیکی کے کام کے لیے انسان کے سینے کو تنگ کر دیتا ہے، اتنا بھینچتا ہے کہ لگتا ہے دم ہی نکل جائے گا۔ یوں نیکی اس کے لیے مشکل ہوتی چلی جاتی ہے اور انسان کی روح کو اس کے ایمان کو نفاق کا روگ لگ جاتا ہے۔

بیماری کا پتہ لگ جائے تو علاج کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ ''کس کا دل اسلام کے لیے کُھلتا ہے'' میں محترمہ نگہت ہاشمی نے ایمان کو لاحق ہو جانے والے اسی مرض کا تذکرہ کیا ہے اور سب سے خوبصورت بات جو محترمہ کے لیکچرز کا خاصہ ہے کہ ان میں انسان کو نہ صرف یہ کہ ایمان کے راستے کے رہنما اصول ملتے ہیں بلکہ اسے عمل کی راہیں بھی دکھا دی جاتی ہیں۔ یوں انسان کے لیے خود کو کھوجنا اور اپنی اصلاح کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

کس کا دل اسلام کے لیے کھلتا ہے

اسلامی طریقۂ زندگی کے لیے سینوں کا تنگ ہو جانا آج کے دور کے مسلمانوں کا بہت بڑا مسئلہ ہے۔ یہی تو وہ پتھر ہے جو ان کے جنت کے راستے کی رکاوٹ بنا ہوا ہے۔ یہ وہ دیمک ہے جو ان کے خدا پرستی کے عقیدے کو اندر سے کھوکھلا کر رہا ہے اور دن بدن اللہ تعالیٰ کو ماننے والوں کے لیے 'اللہ تعالیٰ کی ماننا' مشکل تر ہوتا جا رہا ہے۔

ہر وہ شخص جو اسلامی نظریۂ حیات اور طریقۂ زندگی کے لیے اپنے دل میں تنگی محسوس کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کے احکامات ماننے کو جس کا دل نہیں چاہتا اور جس کے لیے اللہ تعالیٰ کے روکے گئے کاموں سے رکنا انتہائی مشکل ہے، اسے یہ پمفلٹ ضرور پڑھنا چاہیے۔ قارئین سے درخواست ہے کہ اسے پڑھ کر فائدہ محسوس کریں تو اپنے آس پاس موجود افراد تک پہنچا کر ان کے دلوں کو بھی شیطان کی ڈالی گئی بیڑیوں سے آزاد کرنے میں ان کی مدد کریں۔ آپ کی آراء اور مفید مشوروں کا انتظار رہے گا۔

دعوہ سیکشن

النور انٹرنیشنل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ فَھُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ ط فَوَیْلٌ لِّلْقٰسِیَۃِ قُلُوْبُھُمْ مِّنْ ذِکْرِ اللّٰہِ ط اُولٰٓئِکَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ[22] اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتٰبًا مُّتَشَابِھًا مَّثَانِیَ صلے ق تَقْشَعِرُّ مِنْہُ جُلُوْدُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ ج ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُھُمْ وَقُلُوْبُھُمْ اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ ط ذٰلِکَ ھُدَی اللّٰہِ یَھْدِیْ بِہٖ مَنْ یَّشَآءُ ط وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنْ ھَادٍ[23] اَفَمَنْ یَّتَّقِیْ بِوَجْھِہٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ط وَقِیْلَ لِلظّٰلِمِیْنَ ذُوْقُوْا مَا کُنْتُمْ تَکْسِبُوْنَ[24] کَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ فَاَتٰھُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ[25] فَاَذَاقَھُمُ اللّٰہُ الْخِزْیَ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا ط وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَۃِ اَکْبَرُ م لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ[26] وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ کُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّھُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ[27] قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا غَیْرَ ذِیْ عِوَجٍ لَّعَلَّھُمْ یَتَّقُوْنَ[28] (الزمر)

کس کا دل اسلام کے لیے کُھلتا ہے

ترجمہ:

"اب کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا اور وہ اپنے ربّ کی طرف سے ایک روشنی پر چل رہا ہے (اُس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جس نے اِن باتوں سے کوئی سبق نہ لیا؟)۔تباہی ہے اُن لوگوں کے لیے جن کے دل اللہ تعالیٰ کی نصیحت سے اور زیادہ سخت ہوگئے، وہ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے بہترین کلام اُتارا ہے، ایک ایسی کتاب جس کے تمام اجزاء ہم رنگ ہیں اور جس میں بار بار مضامین دُہرائے گئے ہیں۔اُسے سُن کر اُن لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں جو اپنے ربّ سے ڈرنے والے ہیں اور پھر ان کے جسم اور ان کے دل نرم ہوکر اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف راغب ہوجاتے ہیں۔یہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے جس سے وہ راہِ راست پر لے آتا ہے جسے چاہتا ہے اور جسے اللہ تعالیٰ ہی ہدایت نہ دے اس کے لیے پھر کوئی ہادی نہیں ہے۔اب اُس شخص کی بدحالی کا تم کیا اندازہ کرسکتے ہو جو قیامت کے روز عذاب کی سخت مار اپنے منہ پر لے گا؟ ایسے ظالموں سے تو کہہ دیا جائے گا کہ اب چکھو مزہ اُس کمائی کا جو تم کرتے رہے تھے۔اِن سے پہلے بھی بہت سے لوگ اسی طرح جھٹلا چکے ہیں۔ آخر اُن پر عذاب ایسے رُخ سے آیا جدھر اُن کا خیال بھی نہ جاسکتا تھا۔پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا ہی کی زندگی میں رُسوائی کا مزہ چکھایا اور آخرت کا عذاب تو اس سے شدید تر ہے، کاش یہ لوگ جانتے۔ہم نے اس قرآن میں لوگوں کو طرح طرح کی مثالیں دی ہیں کہ یہ ہوش میں آئیں۔ایسا قرآن جو عربی زبان

میں ہے، جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں ہے تاکہ یہ بُرے انجام سے بچیں۔"

سورۃ الزمر کے اس رکوع میں اللہ ربّ العزت فرماتے ہیں:

اَفَمَنۡ شَرَحَ اللّٰہُ صَدۡرَہٗ لِلۡاِسۡلَامِ فَھُوَ عَلٰی نُوۡرٍ مِّنۡ رَّبِّہٖ ؕ فَوَیۡلٌ لِّلۡقٰسِیَۃِ قُلُوۡبُھُمۡ مِّنۡ ذِکۡرِ اللّٰہِ ؕ اُولٰٓئِکَ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ [22]

"اب کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا اور وہ اپنے ربّ کی طرف سے ایک روشنی پر چل رہا ہے (اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جس نے ان باتوں سے کوئی سبق نہ لیا؟) تباہی ہے ان لوگوں کے لیے جن کے دل اللہ تعالیٰ کی نصیحت سے اور زیادہ سخت ہو گئے، وہ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔"

دو چیزیں ہیں جن کو ہم دیکھیں گے:

1- شرحِ صدر۔

2- قساوتِ قلبی (جس کو ہم ضیقِ صدر کہہ سکتے ہیں۔)

شرحِ صدر کیا ہے؟ سینے کا کھل جانا۔

قساوتِ قلبی کیا ہے؟ قسوہ کہتے ہیں سختی کو اور قلب کہتے ہیں دل کو۔ قساوتِ قلبی سے مُراد ہے دل کا سخت ہو جانا۔

ہم جانتے ہیں کہ جس وقت کوئی چیز پتھر کی طرح سخت ہو جاتی ہے تو اس کے اندر گنجائش نہیں رہتی۔ یعنی سخت چیز کے اندر کوئی چیز داخل نہیں ہوسکتی، جیسے بارش کا پانی چٹانوں کے اندر نہیں پہنچتا۔ اسی طرح جس کا سینہ ہدایت کے لیے بند ہو جاتا ہے تو اس کا

مطلب ہے کہ دروازہ بند ہو گیا، یہی ضیق صدر ہے، دل کی تنگی ہے۔

یہاں کچھ سوالات توجہ طلب ہیں:

1۔ دل کا کھلنا کیا ہے؟ اور دل کا بند ہونا کیا ہے؟

2۔ دل کھل جائیں، سینہ کھل جائے تو انسان کو کیا فائدہ ہوتا ہے؟ اور اگر دل بند ہو جائیں تو انسان کو کیا نقصان ہوتا ہے؟

3۔ دل اور سینے کھلتے کیسے ہیں؟ اور بند کیسے ہو جاتے ہیں؟ یعنی شرحِ صدر کیسے نصیب ہوتی ہے؟ اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے لیے دل تنگ کیسے ہو جاتے ہیں؟

سب سے پہلے ہم دیکھیں گے کہ شرحِ صدر یعنی سینے کا کھل جانا کیا ہے؟ انسان کا سینہ کب کھلتا ہے؟

عام زندگی میں دیکھیں تو کوئی بات ایسی ہوتی ہے جس کو ہم فوراً قبول کر لیتے ہیں اور کوئی بات ایسی ہوتی ہے جس کو قبول کرنے کے لیے ذہن اور دل کبھی آمادہ نہیں ہوتے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ معاملہ صرف ہدایت اور گمراہی کا نہیں ہے۔ عام زندگی کے حوالے سے ہی دیکھیں تو ہم نہ تو ہر چیز کو قبول کرتے ہیں اور نہ ہی رد[Reject] کرتے ہیں۔ جہاں ہمیں شرحِ صدر مل جاتی ہے اس بارے میں ہمارا کام کرنا آسان ہو جاتا ہے اور جس چیز کے متعلق ہمارا سینہ بند ہو جاتا ہے، ہمارے ذہن میں وہ چیز جگہ نہیں بنا پاتی، وہ کام کرنا ہمارے لیے انتہائی مشکل ہو جاتا ہے۔

میں آپ کے سامنے ایک چھوٹی سی مثال رکھنا چاہتی ہوں جیسے ایک بچہ جس کو یہ نہیں پتہ کہ میں نے نماز کیوں پڑھنی ہے اور اس کے والدین اس کو نماز کا پابند بنانا چاہتے ہیں تو وہ بچے کو عادی کرنے کے لیے اپنی طرف سے تمام اقدامات کرتے ہیں، اب ہوتا کیا ہے؟ کہ

اگر بچہ سو رہا ہے تو اس کو جگایا جاتا ہے لیکن وہ دوسرے کمرے میں جا کر دوبارہ سو جاتا ہے اور اگر وہ جاگ رہا ہو تو ایک جگہ سے دوسری جگہ چلا جاتا ہے، یعنی اس کی کوشش ہوتی ہے کہ میں بچ جاؤں، وہ کام نہ کروں، کیوں؟۔۔۔ کیونکہ اُس کے دل کے اندر جگہ نہیں بنی، اُسے اس معاملے میں شرحِ صدر نصیب نہیں ہوئی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان وہی کام صحیح انداز میں کر سکتا ہے جس کے لیے اسے شرحِ صدر نصیب ہو۔

عطاالحق قاسمی نے اپنے بچپن کے بارے میں لکھا تھا کہ ہمیں ہمارے اباجی نماز پڑھاتے تھے تو مارے باندھے نماز پڑھ لیتے تھے، اگر کام کی اہمیت واضح نہ ہو' اس کی ضرورت کا احساس نہ ہو' اس کے نتائج کا شعور نہ ہو تو انسان کا دل بند ہو جاتا ہے' اپنی دو رکعتوں کے بارے میں انہوں نے لکھا اور موضوع بھی اس کا یہی تھا ''دو رکعت نماز برائے اباجان!''۔ نماز پڑھی ضرور، چونکہ شرحِ صدر نہیں ہے اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں ہے، وہ تو صرف ایک انسان کو اپنے سامنے دیکھا، خود کو مجبور پایا تو وہ کام اُسی کے لیے ہو گیا، مارے باندھے مجبوراً کوفت، اذیت اور تکلیف سے انسان کام کر تو لیتا ہے لیکن بے دلی سے اس کام کے پھر مطلوبہ فوائد بھی نصیب نہیں ہوتے۔ کبھی آپ دیکھیں کہ کسی بچے کا کھانے کو دل نہ چاہے اور ماں اسے کھلانا چاہے اور وہ انکار نہ کر سکتا ہو تو کیا ہوتا ہے؟ لقمہ اس کے منہ کی طرف جائے تو آنسو ڈھلک آتے ہیں، بھلا ایک لقمہ کھانا کوئی اتنا مشکل کام ہے؟ لیکن آنسو کیوں نکل آتے ہیں؟ دل جو نہیں مانتا، شرحِ صدر جو نہیں ہے۔

پھر اسی طرح سے فرض کریں کہ آپ چاہتے ہیں کہ سارے گھر والے مل کر کسی تقریب میں شریک ہوں اور بچوں کے ذہن میں یہ بات آ گئی ہے کہ وہاں ہمارے لیے کوئی مصروفیت نہیں ہوگی، ہم نے بیٹھ کے انتظار کرنا ہے، بور ہونا ہے تو اس سے بہتر ہے کہ نہ ہی

جائیں۔اب آپ بچے کو منا کر دیکھیں، بچہ کہے گا: میں نے وہاں جا کر کیا کرنا ہے؟ آپ لوگ جائیں اور اگر کوئی ایسی فیملی ہو جس میں بچوں کی رائے کو اہمیت دی جاتی ہو تو ماں باپ کہتے ہیں: اچھا ٹھیک ہے اگر آپ کا جانے کو دل نہیں چاہتا تو نہ سہی۔ کس چیز نے بچے کو گھر بٹھا دیا، وہ کام کرنے نہیں دیا؟ اس کے شعور نے اسے قبول ہی نہیں کیا، اس نے اپنے لیے مشکل محسوس کیا تو سوچا کہ جان چھڑاؤں، بچ جاؤں کسی طریقے سے۔

یہی بات آپ بچوں کی پڑھائی کے حوالے سے دیکھیں۔ جس بچے کے ذہن میں یہ واضح نہیں ہوتا کہ میرے آج پڑھنے کی وجہ سے مجھے کل کیا فائدہ ہوگا؟ تو وہ کبھی بھی صحیح طرح سے پڑھ نہیں سکتا۔ پڑھنا اور پھر اس کے لیے مسلسل کوشش کرنا، اس کو یوں لگتا ہے میرے اوپر کسی نے پہاڑ رکھ دیا ہے، اس کی جان نکلی ہی رہتی ہے، وہ بچتا پھرتا ہے اور اپنے گھر والوں پر یہ ثابت کرتا ہے کہ میں بڑا کام کر رہا ہوں۔

جہاں کہیں بھی شرحِ صدر نہیں ہوتی، وہاں پر انسان کام نہیں کر سکتا۔ مثلاً آج اُمّتِ مسلمہ کو معلوم ہے کہ قرآنِ پاک ہماری زندگی کی کتاب ہے، یہ ایک سچی کتاب ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی ہے، اس میں ہماری زندگی کا پروگرام ہے، ہمارے لیے تمام احکامات اس کتاب کے اندر موجود ہیں لیکن سینے پر بھاری بوجھ ہے۔ کس چیز کا؟ انہیں یہ سمجھ نہیں ہے، یہ فہم نہیں ہے کہ اس کتاب کی تعلیم حاصل کرنے کا ہمیں کیا فائدہ ہوگا؟ اور چھوڑنے کا کیا نقصان ہوگا؟ اور اس کتاب کے توسط سے اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ کیا بھلائی کرنا چاہتے ہیں؟ لہٰذا ہر کوئی بچتا پھرتا ہے، کوئی کہتا ہے میرے پاس وقت نہیں ہے مصروف بہت ہوں، کسی کے بچے چھوٹے ہیں، کسے کے بچے بڑے ہوگئے، کسی کے بچوں کی شادیاں ہو رہی ہیں، کسی کے بچوں کی شادیاں ہوگئیں، یعنی زندگی میں کوئی صورتحال ایسی

نہیں ملتی جہاں پر ایک عام فرد جو قرآن سے دور ہے قرآن پڑھنے کے لیے اپنے آپ کو مطمئن کر سکے۔ اس کو جتنا بھی سمجھا لیں لیکن جب تک سینے کی یہ گرہ نہیں کھلتی، کیسے ممکن ہے کہ وہ اس کے لیے وقت لگائے؟ آپ کو احساس ہو گیا تو آپ اس کے لیے چودہ چودہ گھنٹے بھی لگانے کو تیار ہیں لیکن جس کا دل تنگ ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ چودہ چودہ گھنٹے بیٹھے؟ کیسے ممکن ہے کہ وہ اس کے لیے علیحدگی میں بیٹھ کے تلاوت سنے، سمجھے، اس کو بار بار دہرائے؟ ظاہر ہے کہ یہ تو تکلیف کا کام ہے لیکن تکلیف اس کے لیے خوشی بن جاتی ہے جس کو شرحِ صدر نصیب ہو جائے۔ اس کا مطلب ہے شرحِ صدر کا مل جانا بہت بڑی بات ہے۔ شرحِ صدر کے ساتھ انسان کوئی بھی کام آسانی سے کر سکتا ہے اور اگر شرحِ صدر نہ ہو تو سینہ گُھٹ جاتا ہے، دل سخت ہو جاتا ہے، پھر انسان کے لیے بڑی مشکلات ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمہارے سامنے دو چیزوں کی مثال رکھ رہا ہوں، اب تم بتاؤ کہ بھلا یہ دو لوگ برابر ہو سکتے ہیں؟ یہ دو لوگ کون ہیں؟

ایک وہ فرد ہے جس کا سینہ اسلام کے لیے کھل چکا ہے، یعنی جس کو سمجھ آ گئی زندگی کی حقیقت کی، زندگی کے پروگرام کی، زندگی کے مقصد کی، جس کو یہ پتہ چل گیا کہ

میرا مالک کون ہے؟

اس نے مجھے کیوں پیدا کیا؟

اس نے مجھے کب تک زندہ رکھنا ہے؟

اس نے مجھے کب واپس بلا لینا ہے؟

اس نے مجھ سے حساب کتاب کیوں لینا ہے؟

جس کے سامنے سارے عُقدے کھل گئے۔

کس کا دل اسلام کے لیے کھلتا ہے

دوسرا شخص وہ ہے کہ جس کا دل اللہ تعالیٰ کی یاد سے، اللہ تعالیٰ کے ذکر سے سخت ہو گیا ہو یعنی جس کا ذہن نہیں کھلتا، جس کے ذہن پر گرہ لگی ہوئی ہے، کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ اب آپ بتائیں کہ ایک کے دل پر گرہ پڑی ہوئی ہے اور دوسرے کا دل کھلا ہوا ہے، کیا ایسے دو افراد برابر ہو سکتے ہیں؟ جس کا دل اسلام کے لیے کھلا ہوا ہے وہ اس کے لیے وقت، صلاحیتیں، مال حتیٰ کہ جان قربان کرنے کے لیے بھی تیار ہے لیکن جس کا دل بند ہے اس کے لیے ایک کلمۂ خیر منہ سے نکالنا بھی مشکل ہو گا۔

شرحِ صدر اور ضیقِ صدر دو چیزیں ہیں، شرحِ صدر نعمت ہے اور ضیقِ صدر یعنی دل کی تنگی انسان کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا پیغام دوسروں تک پہنچانے کا حکم دیا۔ اپنے نبیوں کو بھیجا، ان کے بعد صالحین اور تمام مسلمانوں کی ذمّہ داری ٹھہرائی کہ اللہ تعالیٰ کے پیغام کو دوسروں تک پہنچا دیں۔

بنیادی ذمّہ داری کیا ہے؟

دل کے بند دروازوں پہ دستک دے دو۔

انسانوں کو ان کی زندگی کا پروگرام سمجھا دو۔

انہیں زندگی کا مقصد سمجھا دو۔

زندگی کی حقیقت بتا دو۔

ان کو جس بات کی سمجھ نہیں آ رہی وہ بات ان کو سمجھا دو

تا کہ یہ بند کواڑ کھُل جائیں۔

جب یہ دروازہ کھل جائے گا تو پھر ان کے لیے اسلام کو قبول کرنا آسان ہو جائے گا، پھر ان کے لیے مشکلات نہیں رہیں گی۔۔۔۔۔۔ بس یہی دعوت ہے۔ ایک فرد کی اپنی

ذات کے لیے اس دعوت کی کتنی زیادہ ضرورت ہے کیونکہ اگر یہ دل بند رہیں گے تو ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ کا پروگرام انسانوں کے لیے کامیاب نہیں ہوسکتا تو اسلام یہ چاہتا ہے کہ دلوں کے دروازوں پر دستک دی جائے۔

یہ دستک کس بات کی ہے؟ کہ ''دروازہ کھولو'' کیونکہ دروازہ بند ہے اور دروازہ بند رکھنے والے یہ بھی نہیں جانتے کہ دروازہ بند ہے، ان کو یہ سمجھ ہی نہیں ہے۔ پھر دیکھئے کہ یہ انسانیت کی کتنی بڑی خدمت ہے۔ لہٰذا بند دروازے کھولے جائیں اور کھلوائے جائیں تا کہ دل کے اندر اللہ تعالیٰ کا نور آجائے، تا کہ انسان کا رشتہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ جُڑ جائے۔

اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ:

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ فَھُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ ط

''اب کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا اور وہ اپنے ربّ کی طرف سے ایک روشنی پر چل رہا ہے (اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جس نے ان باتوں سے کوئی سبق نہ لیا؟)''۔۔۔۔ کیا دونوں برابر ہوسکتے ہیں؟

یہاں شرحِ صدر کے لیے اگلی بات بھی بتائی گئی کہ دل کا دروازہ اگر ایک بار کھل جائے تو سدا کھلا نہیں رہتا، کھولنا اور کھولے رکھنا، یہ ایک مسلسل عمل ہے۔ پھر کیسے کھلا رہے گا؟

فَھُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ ط

''پھر وہ اپنے ربّ کی طرف سے ایک روشنی پر ہو۔''

کس کا دل اسلام کے لیے کھلتا ہے

یہ روشنی کون سی ہے؟

یہ روشنی کس چیز کی ہے؟

''قرآن کی روشنی۔''

جس پر وہ مسلسل چل رہا ہے۔

جس کی وجہ سے اسے صراطِ مستقیم واضح نظر آ رہا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جس نے قرآن کے ساتھ اپنی زندگی بسر کرنی شروع کر دی ہے۔ یہ ساتھ کس نوعیت کا ہے؟ یہ کتاب فقط ہاتھوں میں نہیں ہے، ہاتھوں کے لمس کے بعد سُننے اور سمجھنے سے یہ قرآن دل کی گرہ کھولتا چلا جاتا ہے اور روشنی اندر آتی چلی جاتی ہے۔

رب العزت فرماتے ہیں:

''پھر وہ اپنے ربّ کی طرف سے ایک روشنی پر چل رہا ہے۔''

یہ روشنی کسی ایک فرد کی روشنی نہیں ہے، کسی کا ذاتی پروگرام نہیں ہے بلکہ

فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ

''پھر وہ ایک روشنی پر ہے، اپنے ربّ کی طرف سے''۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ربّ کی روشنی کو وہ مسلسل جذب کر رہا ہے، یہ مستقل علم کا حاصل کرنا ہے، وہ روشنی لے بھی رہا ہے اور آگے دے بھی رہا ہے، ایک طرف سے روشنی آ رہی ہے اور دوسری طرف سے وہ پھیلا بھی رہا ہے۔ اس سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ روشنی اُسی کو ملتی ہے

☆ جس کے سینے کا دروازہ کھل جائے۔

☆ جس کو شرحِ صدر نصیب ہو جائے۔

اور ان کے دل سخت ہو جاتے ہیں

☆ جو اس روشنی سے محروم رہنا چاہیں۔

☆ جو روشنی پانے سے انکار کر دیں۔

☆ جن کے دلوں میں گنجائش نہ بنے۔

☆ جو اپنے ذہن، دل اور عقل کے دروازے بند رکھیں۔

جدید سائیکالوجی بھی اس طریقۂ کار کا اعتراف کرتی ہے کہ انسان کس طرح سے کسی چیز کو قبول کرتا ہے؟ تحقیقات ہمیں بتاتی ہیں کہ انسان کے اندر یہ عمل کیسے چلتا ہے؟ انسان کا رویہ کیسے تبدیل ہوتا ہے؟ جدید سائیکالوجی میں Behavioural Modification اور Behavioural Sciences پر بہت کام ہو رہا ہے۔ تمام Behaviourists تحقیقات کے بعد اس نتیجے پر پہنچ چکے ہیں کہ بنیادی طور پر انسان کے اندر تبدیلی کیسے آتی ہے۔

پہلی چیز Reasoning ہے۔

Reasoning کیا ہے؟۔۔۔۔۔دعوت۔

ایک داعی جب دعوت دیتا ہے تو دلیل سے بات کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی اپنی کتاب میں دلیل دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ ایک ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، پھر سیکڑوں ہزاروں دلائل، ایک اللہ تعالیٰ کے لیے۔ اگر کسی کے دل میں شک ہے، شبہ ہے، اس کا مطلب ہے کہ دل بند ہیں تو دل کو دعوت سے کھولنا ہے۔

دل کیسے کھلیں گے؟

کس کا دل اسلام کے لیے کُھلتا ہے

جب اس کے لیے دلیل دی جائے گی۔ ہمارے ہاں ایک مسئلہ ہے، Reasoning کی بجائے جبراً ایک کام کروانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ آپ آج کل اگر دین سکھانے کے لیے دیکھیں، چاہے بچوں کو دین سکھانے کی بات ہو اور چاہے معاملہ بڑوں کا ہو، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ایک طوطے کو سب کچھ سکھا دیا جائے، اسے جتنا کچھ سکھا دیا جاتا ہے وہ بولتا ہے لیکن اس کو یہ نہیں پتہ کہ میں کیا بول رہا ہوں۔ مثلاً اس کو کہہ دو کہ ''میاں مٹھو چوری کھانی ہے؟'' تو وہ یہ کہتا ہی رہے گا، اسی طرح اگر کوئی بُری بات سِکھا دی جائے تو وہ بھی کہہ دے گا، اس کو کیا پتہ کہ کسی کی بے عزتی ہو رہی ہے، کوئی ناحق بات ہے یا بُری بات ہے۔

ایسے ہی ڈھول کی مثال ہے، جیسے آپ بجائیں گے اس میں سے ویسی ہی آوازیں آئیں گی۔ کبھی کبھی انسان بھی اپنے آپ کو ڈھول کی طرح بنالیتا ہے، بجتے ہیں، آوازیں آتی ہیں لیکن اندر کچھ نہیں ہے۔ پھر اندر کیا ہے؟ خَلا۔ ڈھول کے اندر کوئی چیز جانے کی گنجائش نہیں ہوتی کیونکہ جہاں سے کوئی گنجائش بنی ڈھول کی آواز خراب ہو جائے گی۔ دین کے معاملے میں بھی لوگ بولتے ہیں، کہتے ہیں ہمیں سب کچھ پتہ ہے، جو چاہو پوچھ لو لیکن جیسے ڈھول کے اندر خلا ہوتا ہے، ایسے ہی انسانوں کے اندر بھی خلا ہے، دین کا فہم نہیں ہے، وہ بات قلب کے اندر اتری ہوئی نہیں ہے۔ جیسے سارا دن کوئی شخص یہ درس دیتا رہے کہ جھوٹ نہ بولو، جھوٹ نہ بولو لیکن خود ہر وقت جھوٹ بولتا رہے تو اس کا کیا مطلب ہے؟ خالی ڈھول ہے، دوسروں تک تو بات پہنچ گئی ہے لیکن اندر کچھ نہیں ہے۔

جب کسی کو دین کی دعوت دی جاتی ہے تو بہت سی آوازیں آنے لگتی ہیں جیسے ڈھول بجایا جائے تو بہت آوازیں آتی ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کو بہت سے مسائل کا سامنا ہے، بات اندر نہیں اُترتی، دل کے دروازے بند کر کے بیٹھے ہیں، زندگی بچا کر بیٹھے ہیں، کہتے ہیں

ٹھیک ہے ہم نماز پڑھ لیں گے، روزہ رکھ لیں گے، زکوٰۃ دے لیں گے، ذکر بھی کر لیں گے لیکن ہم سے کوئی یہ نہ کہے کہ زندگی بدل لو، یہ نہ دیکھیں کہ ہم نے لباس کیسا پہنا ہے؟ ہم کماتے کیسے ہیں؟ ہم خرچ کیسے کرتے ہیں؟ ہم نے اپنے معاشرتی معاملات کو کیسے چلانا ہے؟ ان سارے معاملات کے ساتھ دین کا کیا تعلق ہے؟

ایسی صورت میں پھر کوئی کیا کرے گا؟۔۔۔اپنی مرضی۔اس کا مطلب یہ ہے کہ پیچھے کوئی اور قوت ہے، کوئی اور زور لگا رہا ہے جس کی وجہ سے دل کے دروازے بند ہو گئے ہیں کیونکہ اللہ رب العزت کی ذات نے تو یہ فرمایا:

شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ ''جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے کھول دیا۔''

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فِطْرَتَ اللهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا [الروم:30]

''اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی فطرت پر پیدا کیا ہے''۔

نبی ﷺ نے فرمایا:

''ہر بچہ دینِ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، یہ اس کے ماں باپ ہیں جو اس کو عیسائی، یہودی یا مجوسی (بے دین) بنا دیتے ہیں''۔﴿مسلم﴾

یعنی فطرتاً انسان صالح ہوتا ہے اور اس کے قلب و ذہن پر اثر انداز ہونے والی قوت کوئی اور ہے جس کی وجہ سے انسان خراب ہوتا ہے۔

یہ ضیقِ صدر کیا ہے؟

یہ دل کی تنگی کیا ہے؟

یہ دل کی سختی کیا ہے؟

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''خبر دار دلوں کو زنگ لگ جاتا ہے، جیسے لوہے کو پانی سے زنگ لگ جاتا ہے''۔

آپ کو کبھی اتفاق ہوا کوئی زنگ آلود تالا کھولنے کا؟ مثلاً بارشوں والے علاقے میں وہ تالا لگایا، بارشیں ہوتی رہیں زنگ چڑھتا رہا، اب چابی بھی اسی کی ہے، لگاتے ہیں لیکن تالا کھلتا نہیں کیونکہ زنگ نے کھالیا، اب اس کی کیفیت ہی بدل گئی۔ ایسے ہی لوہے کے دروازے اور لوہے کے گیٹ بھی زنگ لگنے سے ایسے بند ہوتے ہیں کہ پھر کھلتے ہی نہیں۔

اسی طرح سے ایک انسان کے دل کو جب زنگ لگ جاتا ہے تو دل کے اندر کے حالات بدل جاتے ہیں، دل سخت ہو جاتا ہے، وہ فطری حال پر برقرار نہیں رہتا۔ دل کی سختی کو دور کرنے کا پروگرام اللہ تعالیٰ نے دیا، انبیاء علیہم السلام بھیجے، اپنی کتابیں دیں اور اللہ تعالیٰ نے آئندہ کے لیے صالحین کو اس خدمت کے لیے مامور کر دیا، ذمّہ داری تو سب مسلمانوں کی ہے لیکن کرتے وہی افراد ہیں جن کا سینہ خود اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہو، جو خود اس راستے پہ چلتے ہیں وہی لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے ہیں۔ جہاں بھی زنگ آلود دل موجود ہوتے ہیں، وہاں ضرورت ہوتی ہے کہ کوئی ان زنگ آلود تالوں۔۔۔ بند کواڑوں اور دروازوں کو کھول دے، اندر بھی یہ گنجائش ہوتی ہے لیکن اندر والا کام تو انسان نے خود ہی کرنا ہوتا ہے۔

بعض اوقات لوگ یہ کہتے ہیں کہ کوئی اور ہی یہ کام کر دے، میرے دل کے دروازے

کوئی اور کھول دے، اندر کی قوت کوئی لگا نا ہی نہیں چاہتا لیکن یہ کام تو ایسے نہیں ہوگا، باہر کی قوت بھی ہوگی، اندر کی قوت بھی اور دونوں طرف کی قوت کے ساتھ وہ دروازہ کھل جائے گا۔اگر ایک انسان کا اندر سے جی ہی نہیں چاہتا تو پھر کیا ہوگا؟ پھر باہر سے جتنی بھی صدائیں آتی رہیں گی، باہر سے جتنی بھی کوششیں [Efforts] ہوتی رہیں گی، ایسے ہی جیسے صداب صحرا، بازگشت سنائی دے گی لیکن اندر جگہ ہے ہی نہیں۔

جگہ کیسے بنتی ہے؟۔۔۔دلیل سے۔

انسانی عقل کیسے کسی چیز کو قبول کرتی ہے؟۔۔۔دلیل سے راستہ بنتا ہے۔یہی بات ماہرینِ نفسیات [psychologists] کہتے ہیں کہ پہلی چیز Moral Reasoning ہے۔ جب ایک چیز دلیل [Reasoning] کے ساتھ اندر داخل ہوتی ہے، کڑوی تو بہت لگتی ہے، جو کرتا ہے اس کو بھی اور جس کے ساتھ کی جارہی ہوتی ہے اس کو بھی، اللہ تعالیٰ اس کو بھی کنٹرول کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ Reasoning کرنے والے سے فرماتے ہیں:

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ [طٰہٰ:130]

''پس (اے نبی ﷺ!) جو باتیں یہ لوگ بناتے ہیں اُن پر صبر کرو''۔

دوسری طرف ان کو احساس بھی دلاتے ہیں۔کس کس طریقے سے؟ کہ دیکھو تم نے سدا نہیں رہنا، کہیں نہ کہیں کسی طریقے سے کوئی بات دل کو متاثر کر جاتی ہے، اس لیے یہ سلسلہ ایک دو دن کا نہیں ہے۔ جہاں سختی زیادہ ہوتی ہے وہاں کام بھی زیادہ کرنا پڑتا ہے، بہت مدت لگتی ہے۔

پتھروں کو توڑنے کے لیے زیادہ وقت چاہیے۔

زنگ آلود تالوں کو کھولنے کے لیے زیادہ قوت چاہیے۔

پھر اس کے لیے طریقۂ کار بھی مختلف چاہیے اور بعض اوقات تالا کھلتا نہیں تو اسے توڑ دیا جاتا ہے کہ ختم کرو اس جھگڑے کو اور تالا توڑ کر دروازہ کھول دو۔ ہوتا ایسے ہی ہے، کہیں نہ کہیں کوئی تالا انسان خود ہی لگا لیتا ہے، کوئی الجھن، کوئی تعصب، بچپن کی کوئی ایسی بات، کسی کا کہا ہوا جملہ، کوئی نہ کوئی بات ایسی ہوتی ضرور ہے جہاں پہ انسان اپنا ذہن سیٹ کر لیتا ہے، پھر وہ کہتا ہے اب نہیں، اب جہاں Reponse ہمیشہ No میں آئے تو آپ کیا کریں گے؟ اگرچہ یہ کام باہر سے ہونے والا ہے لیکن اندر سے بھی کام ہوگا اور اندر سے کام کب ہوگا؟ جب اندر تھوڑا بہت احساس موجود ہوگا، زندگی کا احساس اور اگر اندر زندگی کا احساس موجود نہ ہو تو پھر بہت مشکل ہو جاتی ہے۔

اندر کا احساس کیسے جاگتا رہتا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے کیا خوب سسٹم بنایا ہے کہ نیکی اور بدی کی شناخت ہر انسان کے دل کے اندر رکھ دی، اس کو شعور دے دیا، وہ اپنے برے بھلے کی شناخت خود کر سکتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اگر اس کے ساتھ Reasoning کی جاتی ہے، اسے دلیل دی جاتی ہے تو قبول کرنے کی صلاحیت اس کے پاس موجود ہے۔ اسے فقط تھوڑی سی کوشش [Effort] کرنی پڑتی ہے اور داعی کی ذمہ داریاں اس لحاظ سے بڑھ جاتی ہیں کہ اسے بار بار دستک دینا ہے، ہوسکتا ہے آج نہیں تو کل، ہوسکتا ہے کسی وقت اُس کے اندر وہ تحریک پیدا ہو جائے۔ آپ کوئی لوگوں کے بارے میں پتہ چلتا ہے کہ کومے میں چلے گئے لیکن اچانک پتہ چلا کہ دس برس کے بعد تحریک پیدا ہوگئی، پھر وہ جو دس برس مردہ رہا، جاگ اٹھا اور اس نے اپنی زندگی کو نارمل انداز سے گزارنا شروع کر دیا لیکن ایسے مواقع [chances] بہت ہی کم

ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جگانے کا جو طریقۂ کار رکھا ہے وہ دلائل [Reasoning] کا بھی ہے اور دوسری طرف یہ کہ انسان کو جتنی بھی دلیلیں دی جاتی رہیں بہرحال اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ اسے خوشخبریاں سنائی جائیں، ڈراوا دیا جائے۔ یہ وہ چیز ہے جو انسان کو مثبت یا منفی انداز میں آمادہ کرتی ہے کہ وہ کچھ کرنے کے لیے تیار ہو جائے، اندر ہی اندر ایک عمل ہوتا ہے، ایک طریقۂ کار جس کی وجہ سے انسان ایسے موڑ پر آ جاتا ہے جہاں پھر وہ فیصلہ کر لیتا ہے کہ اب مجھے یہ کام کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ شرحِ صدر اور ضیقِ صدر یا قساوتِ قلبی میں کیا فرق ہے؟ یہ دو طرح کی کیفیتیں رکھنے والے لوگ برابر نہیں ہو سکتے۔

دل کس کا کھلا رہتا ہے؟

جو اپنے ربّ کی روشنی میں چلتا ہے اور وہ اکیلا نہیں چل سکتا، اس کے لیے ایک ماحول بھی چاہیے اور ذاتی کوششیں [Efforts] بھی چاہئیں۔ پھر ربّ العزت فرماتے ہیں اور یہ بات توجہ طلب ہے:

فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِکَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ [22]

''تباہی ہے ان لوگوں کے لیے جن کے دل اللہ تعالیٰ کی نصیحت سے اور زیادہ سخت ہو گئے۔ وہ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔''

جس مالک نے پیدا کیا اس کا ذکر آئے اور انسان کے دل کے اندر تنگی پیدا ہو جائے، یہ کیسے ہوتا ہے؟ ربّ العزت نے فرمایا:

کس کا دل اسلام کے لیے کُھلتا ہے

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللهَ فَأَنسٰهُمْ أَنفُسَهُمْ [الحشر:19]

''ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو اللہ تعالیٰ کو بھول گئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں خود اپنا نفس بھلا دیا۔''

جب انسان مسلسل ایک خدا فراموش ماحول میں رہتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی ذات بھول جاتی ہے اور جب ایک انسان اللہ تعالیٰ کو بھلا دیتا ہے تو اس کے لیے پھر ممکن نہیں رہتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے طریقۂ کار پر چل سکے، اس کی طرف سے آنے والی پکار پر لبیک کہہ سکے۔

آپ دیکھیں ایک انسان کے کان اگر میوزک سنیں، غیبتیں سنیں، چغلیاں سنیں، بری باتیں سنیں، بے حیائی کی گفتگو سنیں، آنکھیں بے حیائی دیکھیں، سب کچھ دیکھیں، ایک اللہ تعالیٰ کی قدرت ہی نہ دیکھیں، اللہ تعالیٰ کا کلام نہ دیکھیں اور زبان ۔۔۔ سبھی کچھ بولے ایک اللہ تعالیٰ ہی کا تذکرہ نہ کرے۔ یہ سب علم کے حصول کے ذرائع ہیں، ان کے اثرات براہِ راست انسان پر مرتب ہوتے ہیں، اس وجہ سے انسان کا دل سخت اور تنگ ہو جاتا ہے۔

دل کیسے تنگ ہوتا ہے؟

جب انسان حصولِ علم کے ذرائع آنکھ، کان اور دل کو درست استعمال نہیں کرتا تو پیچھے کیا تحریک ہوتی ہے جس کی وجہ سے ایک انسان ان کو صحیح استعمال نہیں کرتا؟ وہ ماحول سے خرابیاں چنتا ہے یا خراب ماحول کو پسند کرتا ہے۔ پیچھے دشمن کی کوشش، وسوسے، ترغیبات اور تحریک ہوتی ہے۔

انسان کا قصور یہ ہے کہ وہ شیطان کی دعوت پر لبیک کہتا ہے۔

یہ دو طرح کی دعوت ازل سے چلی آرہی ہے:

ایک رحمٰن کی دعوت ہے جو رحمٰن کے بندے دیتے ہیں۔

دوسری شیطان کی دعوت ہے۔

دونوں کے اثرات مختلف ہیں۔رحمٰن کے بندوں کی دعوت کی وجہ سے انسانوں کے دل اسلام کے لیے کھل جاتے ہیں اور شیطان کی دعوت کی وجہ سے دل رحمٰن کی دعوت کے لیے بند ہو جاتے ہیں۔

دلوں کے کھلنے کا فائدہ کیا ہوتا ہے اور دلوں کے بند ہونے کا نقصان کیا ہوتا ہے؟

دل کھل جائیں تو فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ایک انسان کے لیے اسلام پر چلنا مشکل نہیں رہتا اور اگر ایک انسان کا سینہ گھُٹ جائے تو اُس کے لیے اسلام پر چلنا انتہائی مشکل ہو جاتا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام شعوری دعوت ہے،اس لیے شعور کو اپیل کرنا بہت ضروری ہے۔

انسان کا سینہ اسلام کے لیے کیسے کھلتا ہے؟

عقل کے توسط سے،عقلی دلائل دیے جائیں،فائدہ نقصان سمجھایا جائے،زندگی کا مقصد سمجھایا جائے۔انسان کو زندگی کی حقیقت،اپنے ربّ کی حقیقت اور دنیا میں رہنے کا پروگرام سمجھ آ جائے،دنیا میں کیا ہونے والا ہے؟ وہ سمجھ آ جائے۔

اگر دیکھا جائے تو یہی دعوت کا سلسلہ ہے،درجہ بہ درجہ[step by step]طریقۂ کار ہی یہ ہے۔رسول اللہ ﷺ نے کیا کام کیا تھا؟ اللہ تعالیٰ کی ذات کی پہچان دی،اپنی ذات کی حقیقت سمجھائی کہ انسان کی زندگی کی حقیقت کیا ہے؟ زندگی کا مقصد بتایا،زندگی کیسے گزاری جائے؟ چلنا سکھایا،طریقۂ کار بتایا اور یہ بتایا کہ جو اعمال تم کرتے ہو،وہ صرف آج کے لیے نہیں کل کے لیے بھی ہیں،اچھے ہوں گے تو آج بھی فائدہ ہوگا اور کل بھی اور بُرے ہوں گے تو آج نقصان ہو یا نہ ہو،کل بڑا نقصان ہونے والا ہے۔اس لیے دعوت

کس کا دل اسلام کے لیے کُھلتا ہے

میں ہمیشہ یہ انتہائی ضروری پہلو ہوتا ہے کہ جنت کی خوشخبری دی جائے اور جہنم کا ڈراوا کیونکہ یہی دو چیزیں ہیں جو انسان کو اخلاقی اعتبار سے ترغیب دلاتی ہیں، اس کے اندر سے تحریک پیدا کرتی ہیں اور جن سے انسان کا سینہ کُھل جاتا ہے اور جن کی وجہ سے ایک انسان کے اندر سے سختی کم بھی ہوتی ہے اور آہستہ آہستہ ختم بھی ہو جاتی ہے۔

ضیقِ صدر کو دور کرنے کے لیے کیا کیا جائے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے یہ سوال تب کیا تھا جب آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

''خبردار دِلوں کو زنگ لگ جاتا ہے'' تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے پوچھا تھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! اس زنگ کو کیسے دور کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

''کثرت سے قرآن کی تلاوت کریں اور اپنی آخرت کو یاد رکھیں''۔ ﴿بیہقی﴾

یہی وہ دو طریقہ ہائے کار ہیں جن کے توسط سے انسان کا دل اسلام کے لیے کھل جاتا ہے۔ ایک اور جگہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''اگر لذتوں کو توڑ دینے والی موت کو یاد کرو گے تو ہنسو گے بہت کم اور روؤ گے بہت زیادہ۔''

یہی اصل حقیقت ہے اگر سمجھ آجائے، یہ وہ طریقۂ کار ہے جس سے سینے کھلتے ہیں۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

موت کے آئینے میں دِکھا کے تجھے رُخِ دوست
زندگی کو اور بھی تیرے لیے دشوار کرے

رُخِ دوست سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کا چہرہ کہ ایک انسان جب موت کے بعد اللہ تعالیٰ سے مُلاقات کی حِرص رکھتا ہے تو اُسے اپنے 'نہ ہونے' اور 'نہ ہونے' کے بعد

ہونے' اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا یقین آ جاتا ہے، پھر اس کے لیے جینا مشکل ہو جاتا ہے، پھر دنیا میں اس کا دل نہیں لگتا، پھر زندگی بے کیف لگتی ہے، بے رنگ لگتی ہے کیونکہ اصل رنگ کا پتہ چل جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کے رنگ کا اور سارے رنگ ایک ہی رنگ سے نکلتے ہیں۔ وہ رنگ کون سا ہے؟۔۔۔۔نور کا، روشنی کا، سارے رنگ روشنی کے ہی ہیں تو جس انسان کو اللہ تعالیٰ کا نور مل جاتا ہے، پھر اس کا ذائقہ بدل جاتا ہے، پھر اس کو دنیا کی چیزوں میں، بے حیائیوں میں لذّت نہیں ملتی، اس کے لیے برائی میں کوئی لُطف نہیں رہتا، اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں میں کوئی مزا نہیں رہتا، اس کی زندگی بالکل مختلف ہو جاتی ہے۔

دیکھیں شرحِ صدر رکھنے والا اور دل تنگ رکھنے والا دونوں برابر کیسے ہو سکتے ہیں؟ ایک طرف تو وہ ہے کہ جس نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کیا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ کی روشنی میں چل رہا ہے اور دوسرے کا سینہ تنگ ہے، اس کو احساس بھی نہیں کہ تنگ ہے، بس یہ پتہ ہے کہ میں نے ہر بات کے جواب میں No Vacancy کا بورڈ لگا رکھا ہے، کچھ بھی ہو، کچھ بھی کہیں، جواب آتا ہے "لا" (نہیں)۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"لا" ضرور کہو۔۔لیکن۔۔۔"الہ" بھی کہہ دو۔۔۔یعنی "لا الہ الا اللہ"

انسان اللہ تعالیٰ کی بات کو جو No کہتا ہے، یہی سب سے بڑا مسئلہ ہے جس کی وجہ سے اس کا دل اور تنگ ہوتا چلا جاتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ [22]

"وہ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔"

کس کا دل اسلام کے لیے کھلتا ہے

گمراہی کا آغاز کہاں سے ہوا؟ دل تنگ کہاں سے ہوئے؟ اللہ تعالیٰ کے ذکر کو بھول گئے، اللہ تعالیٰ کی یاد کو اور یہ بھول گئے کہ میرا کوئی مالک ہے، میرا کوئی پیدا کرنے والا ہے۔

آپ اپنی عملی زندگی میں دیکھیں۔ کیا ایسا نہیں ہے کہ ہر کوئی اپنی زندگی کی مصروفیات میں اپنے ربّ کو بھولا ہوا ہے؟ زندگی کا سارا پروگرام یاد ہے، کمانا ہے، خرچ کرنا ہے، بچے پالنے ہیں، انہیں تعلیم دلوانی ہے، ان کے روزگار، ان کے گھر کی فکر کرنی ہے، ہر چیز کی فکر ہے، ایک اللہ تعالیٰ کے پاس حاضری کی کوئی فکر نہیں، یہی دلوں کو تنگ کرنے والا معاملہ ہے، یہی ضیقِ صدر ہے، یہی قساوتِ قلبی ہے۔

ضیقِ صدر کو دور کرنے کے لیے ربّ العزت نے کیا بھیجا؟ فرمایا:

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ صلے ق تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ج ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ط ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ط وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَالَهٗ مِنْ هَادٍ [23]

''اللہ تعالیٰ نے بہترین کلام اُتارا ہے، ایک ایسی کتاب جس کے تمام اجزاء ہم رنگ ہیں اور جس میں بار بار مضامین دُہرائے گئے ہیں۔ اُسے سُن کر اُن لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے ربّ سے ڈرنے والے ہیں اور پھر ان کے جسم اور ان کے دل نرم ہو کر اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف راغب ہو جاتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے جس سے وہ راہِ راست پر لے آتا ہے جسے چاہتا ہے اور جسے اللہ تعالیٰ ہی ہدایت نہ دے اس کے لیے پھر کوئی ہادی نہیں ہے''۔

اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِیۡثِ ''اللہ تعالیٰ نے بہترین کلام اُتارا ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو کیا کہا ہے؟۔۔۔۔کلام (احسن الحدیث)

کلام اور کتاب میں کیا فرق ہے؟ کلام کوئی کہنے والا ہوتا ہے، کوئی سننے والا ہوتا ہے اور کتاب جاندار نہیں ہوتی، کتاب اس طرح کی باتیں نہیں کرسکتی جس طرح کا کلام اثر کرتا ہے۔

احسن الحدیث سے ہمیں کیا پتہ چلتا ہے؟ کلام زندہ ہے، بہترین ہے، احسن ہے، سب سے زیادہ اچھا، سب سے بہترین کلام اللہ تعالیٰ نے نازل کیا۔کلام کی صورت کیا ہے؟ کتاب کی صورت ہے اور کتاب بھی کیسی ہے؟

کِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ صلے ق

''ایسی کتاب جس کے تمام اجزاء ہم رنگ ہیں''۔

ایک بات تو یہ ہے کہ اس کے اجزاء ہم رنگ ہیں اور دوسری بات یہ کہ اس کے مضامین باربار دہرائے گئے ہیں۔یہ کتاب ایک ہی موضوع کو مختلف انداز میں پیش کرتی ہے اور باربار پیش کرتی ہے اور جب باربار ایک بات کہی جاتی ہے تو بات میں فرق نہیں ہوتا، انداز میں فرق ہوتا ہے، ایسا کیوں ہے؟ اس لیے کہ انسان کو بھول جانے کا مرض لاحق ہے اور اسے باربار یاددہانی کرانے کی ضرورت ہے۔پھر یہ بھی کہ انسان کی عقل ورائٹی [variety] چاہتی ہے، جدّت۔

ایک انسان اگر کسی ایک انداز سے زیادہ متاثر ہو رہا ہے تو دوسرا انسان کسی دوسری چیز سے، کسی اور انداز کی کہی گئی بات سے زیادہ متاثر ہوتا ہے اور ایسا اس لیے بھی ہے کہ انسان پر ہمہ وقت ایک جیسے حالات نہیں رہتے، اس کے دل کی کیفیات مختلف ہوتی رہتی ہیں۔کسی

ایک کیفیت میں ایک بات اثر انداز ہوتی ہے تو دوسرے حالات میں دوسری بات اور قرآن کی بات ایسی ہے جو متشابہ ہے، ملتی جلتی ہے یعنی اس میں کسی قسم کا تضاد نہیں ہے، اختلاف نہیں ہے، اس کے اجزاء میں کوئی فرق نہیں ہے، ہم رنگ اجزاء ہیں۔ یہ کتاب متشابہ ہے، ملتی جلتی ہے، اس کے احکامات میں فرق نہیں ہے، Clash نہیں ہے، کسی بھی جگہ سے کوئی چیز نکال لیں اور دوسری سے ملائیں تو بات ایک ہی نکلتی ہے۔

قرآن کیسی کتاب ہے؟ ایسی کتاب جو حق پر مبنی ہے، حقیقتِ حال بتانے والی ہے۔ اس کے اجزاء کے درمیان اختلاف کا نہ ہونا، پھر اس کا ہمیشہ اختلاف سے پاک رہنا کیا ثابت کرتا ہے کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے کیونکہ دو چیزوں میں جہاں اختلاف ہوتا ہے، وہاں یکسانیت نہیں رہتی بلکہ عدم یکسانیت پیدا ہو جاتی ہے اور ایسی صورتحال میں بات بدل جاتی ہے، اصل بات ختم ہو جاتی ہے تو یہ ایسی کتاب ہے جو مختلف رنگوں میں مضامین کو پیش کرتی ہے، بات بدلتی ہے لیکن جواب وہی رہتا ہے۔

یہاں قرآنِ حکیم کی دوسری صفت بتائی گئی ہے:

كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ صلے ق

''دہرائی ہوئی کتاب ہے''۔

یعنی اس کے مضامین بار بار پیرائیوں میں دہرائے گئے ہیں، اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ کتاب نصیحت ہے۔ نصیحت کرنے والا ہمیشہ یہ چاہتا ہے کہ جو بات کہے وہ دوسرے کے ذہن میں اتر جائے، اس لیے کبھی وہ ایک رنگ میں بات بتاتا ہے، کبھی دوسرے اور کبھی تیسرے رنگ میں۔ قرآن چونکہ کتابِ نصیحت ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے انسانوں کے لیے

تذکیر بنایا، اس وجہ سے مضامین کو بار بار دہرایا گیا ہے۔ قرآن میں موجود مضامین کو مختلف انداز میں دہرانا حکمت کا تازہ ترین نمونہ ہے۔ یہ کلام کیسا ہے؟ انسان اسے تنہائی میں سن رہا ہو، سمجھ رہا ہو، سیکھ رہا ہو، تعلیم حاصل کر رہا ہو، یہ کلام انسان پر اثر انداز ہوتا ہے۔ انسان جب گہرے غور و فکر کے ساتھ اس کتاب پر توجہ کرتا ہے تو یہ کتاب بولتی ہے، باتیں کرتی ہے، انسان کے دل پر اثر انداز ہوتی ہے، انسان کے قلب و ذہن کی کیفیات بدل جاتی ہیں۔ ربّ العزت فرماتے ہیں کہ دیکھو اس سے تبدیلی کیا آتی ہے؟ فرمایا:

تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ج ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ط

''اسے سن کر ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں جو اپنے ربّ سے ڈرنے والے ہیں اور پھر اُن کے جسم اور اُن کے دل نرم ہو کر اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف راغب ہوتے ہیں''۔

اس کتاب کو سننے والے افراد پر کیسی کیفیت طاری ہوتی ہے؟ اسے سن کر ان کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ یہ کیسی کیفیت ہے؟۔۔۔خوف کی کیفیت۔ مثلاً سانپ کو دیکھ کر رونگٹے کھڑے ہوسکتے ہیں، اسی طرح سے ایک انسان جب اپنے انجام کو دیکھتا ہے تو اس کے رونگٹے کھڑے ہوسکتے ہیں۔ یہ سننے اور رونگٹے کھڑے ہونے کے بیچ والی چیز اصل میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا تعلق ہے۔ اگر ایک انسان سنتا ہے اور اس کے اندر کوئی تبدیلی نہیں آتی تو اسے یہ جان لینا چاہیے کہ خوف میں کمی ہے، وہ مطلوبہ خوف نہیں ہے جس کی وجہ سے دل کی ویسی کیفیت پیدا ہو۔ چونکہ خوف کی کیفیات بدلتی رہتی ہیں اسی وجہ سے انسان قرآن کو سنتے ہوئے بھی مختلف کیفیات میں ہوتا ہے، کبھی تو ایک

چیز سن کر دل پگھل جاتا ہے اور کبھی بالکل نارمل کیفیت ہو جاتی ہے۔

پھر اس خوف کے ساتھ جب انسان سنے تو کیا تبدیلی آتی ہے؟ اس کا دل نرم ہو کر اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف راغب ہو جاتا ہے۔ اب کیسی صورتحال ہے؟ رونگٹے کھڑے ہیں، اعضاء نرم ہو گئے، دل جھک گیا۔ پھر جو کیفیت جسم کی ہے وہ قلب پر اثر انداز ہوتی ہے؟ اور یہ کیفیت جب ظاہر ہوتی ہے تو اندر اور زیادہ نرمی آ جاتی ہے۔ نرمی کس کے لیے آئی ہے؟ یہ کسی انسان کی خاطر نہیں، یہ نرمی اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے ہے۔

تین چیزیں ہیں:

[1] اللہ تعالیٰ کا خوف۔

[2] کلام کا سننا۔

[3] رونگٹوں کا کھڑا ہونا۔

خوف ایک دل کی کیفیت ہے، اظہار ہے۔ انسان اپنے کانوں سے سنتا ہے اور خوف پہلے ہی اندر موجود ہے، کانوں سے سنا تو اور زیادہ اثر انداز ہوا، رونگٹے کھڑے ہو گئے، پھر کیا ہوتا ہے؟

ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ

”پھر ان کے جسم اور ان کے دل نرم ہو کر اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف راغب ہو جاتے ہیں۔“

یعنی انسان کے اندر اتنی ملائمت آتی ہے کہ دل بھی نرم ہو جاتے ہیں اور جلدیں بھی نرم ہو جاتی ہے، وہ بھی اللہ تعالیٰ کے آگے جھک جاتی ہیں۔ پھر ان کے اندر نہ کسی قسم کی کوئی

نفسیاتی رکاوٹ رہ جاتی ہے، نہ دل کے اندر رکاوٹ ہے یعنی شرحِ صدر نصیب ہوگئی، دل جھک گیا، بجھ گیا لیکن دل کے اندر یا زندگی کے اندر جو تبدیلی آنی ہے اس کے پیچھے کیا ہے؟ اگر چہ شرحِ صدر ہے لیکن قرآن کا مسلسل سننا، ایک خاص کیفیت میں رہ کر سننا اور فقط سننا نہیں، خوف کے ساتھ سننا، اللہ تعالیٰ کے خوف کے ساتھ۔

اللہ تعالیٰ کا خوف انسان کے قلب میں کیسے آتا ہے؟

انسان کیسے خوف زدہ ہوتا ہے؟

☆غور و فکر سے۔

☆اپنے نہ رہنے کے احساس سے۔

☆اپنی پیشی، اپنی حاضری کو اپنی آنکھوں کے سامنے محسوس کرنے سے۔

جواب دہی بہت مشکل ہوتی ہے۔ ذرا تصور کیجیے پوری دنیا دیکھ رہی ہے اور آپ جواب دہ ہیں۔ جواب دہی کا احساس انسان کے اندر خوف پیدا کرتا ہے۔ اسی لیے تو اللہ کے رسول ﷺ نے لذتوں کو توڑ دینے والی موت کے بارے میں یہ فرمایا:

''اگر تم وہ باتیں جان لو جن کا مجھے علم ہے تو تم ہنسو تھوڑا اور روؤ زیادہ''۔﴿بخاری:6486﴾

یہ وہ چیز ہے جس کی وجہ سے انسان کے اندر خوف پیدا ہوتا ہے کہ

میں نے رہنا نہیں ہے۔

اس کے برعکس بے خوفی کیسے پیدا ہوتی ہے؟

انسان موت کو بھول جائے اور کہے کہ ڈرانے والی باتیں نہ کرو کیونکہ ڈر لگے گا تو پھر زندگی کی مستیاں، مستیاں نہیں رہیں گی، پھر یہ سب کچھ نہیں کر سکیں گے۔ لہٰذا ڈر نکال دو کیونکہ ڈر کی وجہ سے جینا مشکل لگتا ہے حالانکہ جینا مشکل نہیں ہوتا بلکہ جینا تو ایسے ہی حسین

ہوتا ہے، جینا تو ایسے ہی ممکن ہے۔ انسان کی زندگی احسن (احسان والی) نہیں ہو سکتی جب تک اس کے اندر خوف نہیں آتا۔

یہ ہے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کا طریقۂ کار؛ خوف کے ساتھ سننا، ہمہ وقتی اپنے ربّ کو یاد رکھنا، کیفیات کا بدلنا، دل کا نرم پڑنا، یوں انسان کی زندگی بدلتی ہے، پھر ہدایت ملتی ہے۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں:

ذٰلِکَ ھُدَی اللّٰہِ یَھۡدِیۡ بِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَمَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنۡ ھَادٍ [23]

”یہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے جس سے وہ راہِ راست پر لے آتا ہے جسے چاہتا ہے اور جسے اللہ تعالیٰ ہی ہدایت نہ دے اس کے لیے پھر کوئی ہادی نہیں ہے۔“

اللہ تعالیٰ کس کو ہدایت نہیں دیتا؟ جو قرآن نہیں سنتا یا سنتا ہے تو خوف کے ساتھ نہیں سنتا اور جب خوف کے ساتھ نہیں سنا تو اگلی ساری کیفیات ختم ہو گئیں، نہ جسم کے رونگٹے کھڑے ہوئے، نہ جلد نرم ہوئی، نہ دل نرم ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کس طرح سے قرآنِ حکیم کو سنا کرتے تھے؟ مثال ہمارے سامنے ہے، آپ ﷺ نمازوں میں کلامِ پاک کی تلاوت کرتے تھے، انفرادی نمازیں طویل پڑھتے تھے اور آپ ﷺ کی نماز کی کیفیت بیان کرتے ہوئے صحابہ رضی اللہ عنہا فرماتے ہیں کہ جس وقت آپ ﷺ نماز پڑھتے تھے تو یوں لگتا تھا جیسے ایک درخت ہے جو ہلتا نہیں ہے، جھکا ہوا ہے، جس کی شاخیں جھکی ہوئی ہیں اور پھر یوں آپ ﷺ کے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی تھی کہ داڑھی اور سینہ بھیگ جاتا تھا، سینے سے چکی چلنے جیسی آواز آتی تھی اور جب سجدے میں جاتے تو زمین تک بھیگ جاتی۔

آپ ﷺ اس کلام کے حصار میں ایسے رہتے تھے کہ پاؤں سوج جاتے، انگوٹھے پھٹ جاتے، یہ کلام کے اثرات تھے جو آپ ﷺ کی زندگی پر مرتب ہو رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے زندگی میں تبدیلی لانے کے لیے جو پروگرام دیا اور ہمارے صوفیائے کرام رحمۃ اللہ علیہ نے سورۃ المزمل میں جو بنیادی دس نکات بتائے ہیں، ربّ العزت نے اسی طرف توجہ دلائی:

"یٰٓاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ [1] قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا [2] نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا [3] اَوْ زِدْ عَلَیْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا [4] [المزمل:1-4]

"اے اوڑھ لپیٹ کر سونے والے! رات کو نماز میں کھڑے رہا کرو مگر کم، نصف رات یا اس سے کچھ کم کر لو یا اس سے کچھ زیادہ بڑھا دو اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو"۔

یوں قطرہ قطرہ دل کے اندر اترتا چلا جاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ:

اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِیْلًا [6] اِنَّ لَکَ فِی النَّهَارِ سَبْحًا طَوِیْلًا [7] [المزمل:7,6]

"درحقیقت رات کا اُٹھنا نفس پر قابو پانے کے لیے بہت کارگر اور قرآن ٹھیک پڑھنے کے لیے زیادہ موزوں ہے۔ دن کے اوقات میں تو تمہارے لیے بہت مصروفیات ہیں۔"

رات کا جاگنا (یہ بھی وہی کیفیت ہے نرمی کی) نفس کو کچلنے کے لیے اور بات کو سیدھا رکھنے کے لیے بہت ہی کافی ہے، بہت مفید ہے۔ اس سے ہمیں پتہ لگتا ہے کہ بنیادی طور پر

کس کا دل اسلام کے لیے کُھلتا ہے

یہ قرآن ہے، چاہے رات کی نماز میں کھڑے ہو کر اس کی تلاوت کی جائے یا دن میں لوگوں کو پڑھ کر سنایا جائے اسی کی وجہ سے انسان کی زندگی بدلتی ہے۔اس کلام کو سننا، اس کو باقاعدہ سیکھنا، اس کی تعلیم حاصل کرنا، اس کو سکھانا، اس کو پڑھ کر سنانا، ایک ایک کام افضل ہے۔اس کلام کی وجہ سے آخرت میں بھی انسان کے درجات بلند کیے جائیں گے۔ یہ زندگی بدلنے والا حیات بخش کلام ہے۔اسلام کی دعوت کیا ہے؟ یہ کلام سنا ہے تو اس کی تعلیم دے دو، اس کے توسط سے نفوس کا تزکیہ کرو، زندگی پاک بھی تو ایسے ہی ہو سکتی ہے۔اسی لیے ربّ العزت نے اس کام کے لیے اپنے نبی مبعوث کیے اور خود نبی ﷺ کے بارے میں فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ [آل عمران:164]

''درحقیقت اہلِ ایمان پر تو اللہ تعالیٰ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے۔''

کیا احسان کیا ہے؟

اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ [آل عمران:164]

''ان کے درمیان خود انہی میں سے ایک ایسا پیغمبر اُٹھایا جو اس کی آیات انہیں سناتا ہے''۔

یہ سننا کیسے ممکن ہوتا ہے؟ جب کوئی سنانے والا موجود ہو۔صحابہ رضی اللہ عنہم کے دل کیسے بدل رہے تھے؟ رسول اللہ ﷺ کے سنانے سے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ [آل عمران:164]

"وہ ان کے نفس کا تزکیہ کرتا ہے، انہیں برائیوں سے پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔"

رسول اللہ ﷺ کے یہ چار بنیادی کام تھے، چاروں کا تعلق اسی کتاب سے ہے۔ اسی سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ یہ کتاب ہے جو زندگی بدلتی ہے اور اسلام کی دعوت کتاب کی دعوت ہے کیونکہ یہ کتاب بنیادی طور پر اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور فَفِرُّوٓا اِلَى الله (اللہ تعالیٰ کی طرف دوڑنے) کی دعوت ہے۔ ایک پکار ہے کہ

"اللہ تعالیٰ کو پالو"

اور انسان اس کو پا نہیں سکتا جب تک کہ اللہ تعالیٰ کے علم کی روشنی ذہن اور قلب کے اندر نہیں آتی اور علم کی روشنی نہیں آتی جب تک کہ انسان خوف کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے کلام کو نہیں سنتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین مجلس میں کیسے بات سنا کرتے تھے؟ ایک صحابی رضی اللہ عنہا کہتے ہیں کہ ایسے لگتا تھا جیسے ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں کہ اگر ہم تھوڑا سا ہلے تو وہ اُڑ جائیں گے۔ یہ مجلس ہے، یہ قرآنِ پاک کو سننے کی کیفیت ہے جس میں ایک انسان اپنے مالک کی طرف ہمہ تن متوجہ ہے۔ وہ کس سے کلام کرتا ہے؟ اپنے ربّ سے اور اسی طرح سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے حوالے سے ہم دیکھتے ہیں کہ ان آیات کو پڑھتے ہوئے ان کے قلب پر کیسے اثرات مرتب ہوتے تھے؟ مختلف افراد کی زندگیوں پر مختلف اثرات تھے جیسے:

حضرت عمر رضی اللہ عنہا کی زندگی کی کایا پلٹ گئی، اگرچہ Reasoning تو بہت عرصے سے جاری تھی لیکن دل بدل دیا "سورہ طٰہٰ" نے اور ان آیات کو سننے کے بعد وہ مسلمان ہونے

کے لیے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے چلے آئے۔

اسی طرح سے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہما کو دیکھیں تو ان کی زندگی میں کیا بات نظر آتی ہے؟ انہوں نے نبی ﷺ سے ''سورہ طور'' سنی جب آپ ﷺ مغرب کی نماز پڑھ رہے تھے تو ان کا دل پگھل گیا اور وہ اسلام لے آئے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کتنا اشتیاق رکھنے والے تھے کہ کسی طرح سے یہ کلام سننا نصیب ہو جائے۔ انہیں دنیا کے ہر کام، ہر پروگرام سے زیادہ کیا چیز عزیز تھی؟۔۔۔۔اللہ تعالیٰ کے کلام کی مجلس اور یقین کریں کہ

کتاب کے ساتھ اگر صالح انسان کی مجلس مل جائے تو انسان کی زندگی بدل جاتی ہے۔

یہاں بھی سننے میں یہی بات پوشیدہ ہے کہ

☆ کوئی سنانے والا ہو۔

☆ اور انسان سن رہا ہو۔

کون سا انسان ہے جسے اپنی زندگی میں سننے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی؟ یا اس کی زندگی سے سننے کی ضرورت ختم ہو جاتی ہے؟ چاہے کوئی علم کے کسی موڑ پر پہنچ چکا ہو، سننے کی ضرورت ہمیشہ رہتی ہے اور تبدیلی سننے ہی سے آتی ہے۔ یہی کلام کی سماعت ہے جو زندگی بدل کر رکھ دیتی ہے اور آپ دیکھیں جب جنات نے اس کلام کو سنا تھا تو وہ اپنے علاقے میں اس کی دعوت دینے پہنچ گئے تھے۔ سورۃ الجن کا آغاز بھی اسی واقعے کے تذکرے سے ہوتا ہے۔ رب العزت فرماتے ہیں:

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا[1] يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ط وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا[2] [الجن]

(اے نبی ﷺ!) کہو، میری طرف وحی بھیجی گئی ہے کہ جنوں کے ایک گروہ نے غور سے سنا، پھر (جا کر اپنی قوم کے لوگوں سے) کہا: ہم نے ایک بڑا عجیب قرآن سنا ہے جو راہِ راست کی طرف رہنمائی کرتا ہے اس لیے ہم اُس پر ایمان لائے اور اب ہم ہرگز اپنے ربّ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے"۔

جنات نے جب یہ کلام سنا تو اپنے علاقے میں جا کر لوگوں کو اس کی دعوت دی۔اب یہ کلام ہے جو ایک جن کو بھی متاثر [appeal] کرتا ہے اور ایک انسان کو بھی۔
لیکن اسی کلام کی وجہ سے لوگوں کے دل سخت بھی ہو گئے تھے، وہ ایک مصیبت میں مبتلا بھی ہو گئے تھے اور اسی کلام کی وجہ سے نفرتیں بڑھ گئی تھیں، معاملہ جنگوں تک بھی پہنچ گیا تھا۔زندگی میں تبدیلی اسی طرح سے آنی ہے چاہے وہ ابتداء میں ہی صرف سماعت سے آئے یا بعد میں اسلام کی حقانیت کو ثابت کرنے کے لیے تلوار کے زور سے آئے۔ یہاں ذکر ہے سماعت کا تو اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ ہدایت اور گمراہی تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔رب العزت فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اسے ہدایت دیتا ہے اور جس کے لیے اللہ تعالیٰ رہنما نہ ہو تو اس کے لیے پھر کوئی ہادی نہیں ہے"۔

پھر اللہ ربّ العزت فرماتے ہیں:

اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ [24]

"اب اس شخص کی بدحالی کا تم کیا اندازہ کر سکتے ہو جو قیامت کے روز عذاب

کی سخت مار اپنے منہ پر لے گا؟ ایسے ظالموں سے تو کہہ دیا جائے گا کہ اب
چکھو مزہ اس کمائی کا جو تم کرتے رہے تھے۔‘‘

انسان جب کسی مصیبت میں ہو، تکلیف میں ہو تو شعوری اور لاشعوری طور پر اس کی زیادہ کوشش یہ ہوتی ہے کہ اپنا چہرہ بچالے۔ آپ نے کبھی باکسنگ دیکھی ہے؟ اس میں کس چیز کو بچانے کی کوشش کی جاتی ہے؟۔۔۔ چہرے کو۔ اسی طرح سے جب انسان کسی تکلیف دہ ماحول میں ہوتا ہے تو اس کے ہاتھ اور بازو خود بخود ہی اپنے چہرے کو بچانے کے لیے اُٹھتے ہیں، یہ فطرت ہے۔

انسان اپنے چہرے کو کیوں بچانا چاہتا ہے؟

پہلی بات: کیونکہ چہرہ ہی تو پہچان ہے، اگر چہرہ مٹ گیا تو انسان کی پہچان ختم ہوگئی۔

دوسری بات: چہرے پہ چوٹ بہت سخت لگتی ہے۔

تیسری بات: چہرہ عزت کا نشان ہے، انسان زیادہ بے عزتی محسوس کرتا ہے۔

مثلاً اگر کسی کو کمر پر تھپڑ لگایا جائے اور کسی کو چہرے پر تو دونوں برابر نہیں ہوسکتے کیونکہ چہرہ انسان کے لیے سب سے زیادہ شرف اور عزت کا باعث ہے، اُس کے لیے سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

’’اس شخص کی بدحالی کا تم کیا اندازہ کر سکتے ہو جو قیامت کے روز عذاب کی
سخت مار اپنے منہ پر لے گا؟‘‘

عذاب کی سخت مار اپنے منہ پر کوئی کیسے لے گا؟ لینا نہیں چاہے گا مجبور کر دیا جائے

گا۔ یعنی اس کے پاس کوئی اختیار نہیں رہے گا، اس کے چہرے کو داغا جائے گا، اس طرح سے شدید عذاب دیا جائے گا، سخت تکلیف میں مبتلا کیا جائے گا اور قیامت کے روز ایک انسان اپنے ہاتھوں سے، اپنے مختلف اعضاء سے اپنے چہرے کو بچا نہیں پائے گا۔ جیسے قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کے چہروں کی جلد جب گل جائے گی وہ تو بُھنی ہوئی سری کی طرح ہو جائیں گے۔

چہرہ جس کو سنوارنے کے لیے انسان ساری زندگی کوششیں کرتا ہے، جس کو قابلِ عزت سمجھتا ہے، جس چہرے کی خاطر ایک انسان بڑے بڑے سرکشی کے فیصلے کرتا ہے تو اس سرکشی کے بعد آخرت میں اِس چہرے کے ساتھ کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اَفَمَنۡ یَّتَّقِیۡ بِوَجۡهِهٖ سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ ؕ

”اب اس شخص کی بدحالی کا تم کیا اندازہ کر سکتے ہو جو قیامت کے روز عذاب کی سخت مار اپنے منہ پر لے گا؟“

اور یہ سب کچھ کیوں ہوگا؟ اللہ ربّ العزت فرماتے ہیں:

وَقِیۡلَ لِلظّٰلِمِیۡنَ ذُوۡقُوۡا مَا كُنۡتُمۡ تَكۡسِبُوۡنَ [24]

”ایسے ظالموں سے تو کہہ دیا جائے گا کہ اب چکھو مزہ اس کمائی کا جو تم کرتے رہے تھے۔“

یعنی یہ سب کچھ جو تمہیں نصیب ہو ہے اتمہارے اپنے کسب کی وجہ سے، اپنی کمائی کی

وجہ سے، اپنے اعمال کی وجہ سے، تم نے جو کل کیا آج وہ تمہیں مل گیا۔

یہ ایک عجیب منظر ہے جہاں ایک انسان اپنے چہرے کو آگے کر دیتا ہے کہ چہرے کی وجہ سے میں عذاب سے بچ جاؤں اور عذاب سے بچ نہیں پاتا۔ اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ یہ تمہاری اپنی کمائی کا نتیجہ ہے۔

پھر فرمایا:

كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ [25]

"ان سے پہلے بھی بہت سے لوگ اسی طرح جھٹلا چکے ہیں۔ آخر ان پر عذاب ایسے رخ سے آیا جدھر ان کا خیال بھی نہ جا سکتا تھا۔"

یعنی پہلے بھی لوگ اللہ تعالیٰ کے کلام کو، اس کی تعلیم کو، اس کی ہدایات کو جھٹلاتے رہے ہیں لیکن پھر جب اللہ تعالیٰ نے پکڑا تو ایسے رخ سے جہاں سے انہوں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔

فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ [26]

"پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا ہی کی زندگی میں رسوائی کا مزہ چکھایا اور آخرت کا عذاب تو اس سے شدید تر ہے، کاش یہ لوگ جانتے۔"

دنیا کی زندگی میں اللہ تعالیٰ نے ان کو رسوائی کا مزا چکھا دیا جو اپنی عزت کی خاطر حق کو جھٹلا رہے تھے اور آخرت کا عذاب اس سے زیادہ شدید ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نظر میں سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ انسان کے سامنے حق آئے اور وہ انکار کر دے یعنی دلیل کی بات کو

تسلیم نہ کرے، اس کے حق ہونے کا اعتراف نہ کرے، ایسے لوگ کبھی اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بچ نہیں سکتے۔ پھر فرمایا:

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ [27] قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ [28]

''ہم نے اس قرآن میں لوگوں کو طرح طرح کی مثالیں دی ہیں کہ یہ ہوش میں آئیں۔ ایسا قرآن جو عربی زبان میں ہے، جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں ہے تا کہ یہ بُرے انجام سے بچیں۔''

اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ یہ قرآن مثالوں کے ذریعے سے اپنے معاملات کو سمجھاتا ہے، انسانی زندگی کے پروگرام کو واضح کرتا ہے۔ آپ اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ مثال کے ذریعے سے بات کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے، انسان کو وہ بات زیادہ پریکٹیکل محسوس ہوتی ہے۔ آپ اندازہ کریں کہ ایک طرح سے نہیں طرح طرح سے سمجھایا، ہر طرح کی مثالیں دی ہیں شاید کہ یہ لوگ ہوش میں آجائیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ یہ چاہتے تھے کہ

کسی طرح سے انہیں اپنی زندگی کی سچی سمجھ مل جائے۔

کسی طرح سے یہ آگ میں جانے سے بچ جائیں۔

کسی طرح سے یہ لوگ ہوش میں آئیں۔

ہوش میں آنے کا کیا مطلب ہے؟ کہ لوگ غفلت کو ترک کر دیں۔ رب العزت فرماتے ہیں:

قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا **''ایسا قرآن جو عربی زبان میں ہے۔''**

کس کا دل اسلام کے لیے کُھلتا ہے

یعنی جس کے پہلے مخاطب عرب ہیں اور یہ ان کی اپنی زبان میں ہے کسی غیر زبان میں نہیں ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ اپنی زبان میں کسی بات کو سمجھنا کتنا آسان ہوتا ہے اور غیر زبان میں کتنا زیادہ مشکل تو قرآن کے جو پہلے مخاطبین تھے ان کی اپنی زبان میں انہیں قرآن دیا گیا، پھر آگے انہوں نے مختلف زبانیں سیکھیں اور جو تعلیم انہوں نے ہر ایک کو دی، ان کی اپنی زبان میں دی۔ پھر فرمایا:

غَیۡرَ ذِیۡ عِوَجٍ ''جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں ہے''۔

یعنی کسی انسان کو اسے سمجھنے کے لیے کوئی مشکل پیش نہیں آتی، عقل کو [appeal] کرنے والے دلائل ہیں، انسان کے لیے ان کو سمجھنا بہت آسان ہے لیکن یہ سارا پروگرام کس لیے ہے؟

لَّعَلَّهُمۡ یَتَّقُوۡنَ [28] ''تا کہ یہ بُرے انجام سے بچیں''۔

یعنی اصل مقصد یہ ہے کہ انسان کو اس کے غلط انجام سے بچالیا جائے۔ اس طرح سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ قرآن جو کچھ بتاتا ہے وہ انسان کی سمجھ کے عین مطابق ہے تمثیل کی زبان میں بتاتا ہے تاکہ سمجھنا مشکل نہ ہو اور ایک انسان اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچالے، اسے اس حوالے سے شرحِ صدر نصیب ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں قرآنِ حکیم کو سمجھنے اور اسے اپنی زندگی کا حصہ بنانے کے لیے شرحِ صدر نصیب فرمائے۔ آمین

[سی ڈی سے تدوین: تعلیم القرآن 2006]

سات چیزیں
سات
کے بغیر بے کار ہیں

1. اللہ کے خوف کا دعویٰ کرے لیکن گناہوں سے پرہیز نہ کرے۔
2. اللہ سے ثواب کی امید رکھے لیکن نیک عمل نہ کرے۔
3. نیک کام کرنے کی خواہش کرے لیکن ارادہ نہ کرے۔
4. زبان سے استغفار کرے لیکن دل میں ندامت نہ ہو۔
5. ظاہری نیکیاں کرے لیکن اندر کی اصلاح نہ کرے۔
6. دعا کرے لیکن محنت نہ کرے۔
7. بڑی بڑی نیکیاں کرے دین میں اخلاص سے کام نہ کرے۔

کیا آپ کے بچوں کی لائبریری میں یہ کتب موجود ہیں؟
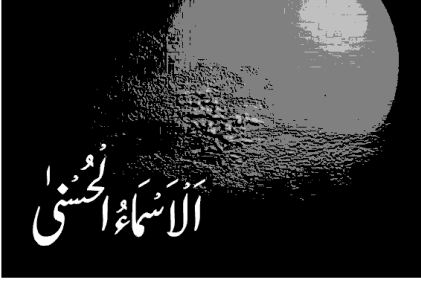
ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا،
اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں یعنی ایک کم سو۔
جو شخص ان سب کو محفوظ رکھے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

قرآن و حدیث ہماری زندگی کی راہنمائی کے لیے
ہماری ضرورت ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا:
"میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں اگر ان کو
تھامے رہو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے" (حاکم۔2937)

روزمرہ کی
دُعائیں
Al Noor Publications

کون ہے جو بات کو ہمیشہ سنے ؟ کون ہے جو ہر پکار سُن لے ؟
کون ہے جو ہمیشہ جواب دے ؟ کون ہے جو قریب ہو اُسے پکاریں؟

وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جس سے مانگنے والا کبھی نامراد نہیں لوٹتا۔

وَّلَمْ اَكُنْ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا (مریم۔4)
"اے میرے رب! تجھ سے مانگ کر کبھی نامراد نہیں رہا"

ہر ایک کی زبان پر، ہر موقع پر اللہ کا نام رہے
اور ویسے ہی رہے جیسے
محمد رسول اللہ ﷺ کی زبان پر رہا۔

ایک نئے انداز سے   خوبصورت   جاذبِ نظر   کم قیمت